

03-09-2016

متفرقات

مفتی منیب الرحمٰن

بے ہنگم ریوڑ: آج کل ہمارا میڈیا قوم کو سَمت و مقصد سے عاری نامعلوم منزل کی طرف لیے جارہا ہے، اچانک کسی مسئلے پر میڈیا میں مسابقت کی ایک رو چل پڑتی ہے اور شور وغوغا میں کچھ سنائی نہیں دیتا، اسی کو ہمارے اردو محاورے میں ''بھیڑ چال'' کہتے ہیں۔ ہمارے اکابر میں سے ایک بڑے عالم علامہ مُلا علی القاری نے ''شفا قاضی عیاض'' کی شرح میں لکھا ہے: ایک روایت میں ہے: لوگ دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو صاحبانِ علم ہیں اور دوسرے وہ جو طالبانِ علم ہیں۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا طبقہ بڑی تعداد میں ہے جو ایک بے سَمت ریوڑ کی مانند ہے، جس کا کوئی چرواہا نہ ہو اور وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے سوچے سمجھے بغیر چل رہے ہوں، اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ سنن دارمی: 323 میں اسی سے ملتے جلتے الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد بن معدان کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، حضرت علی سے کسی نے پوچھا: ''العامّۃ'' سے مراد کون لوگ ہیں؟، آپ نے فرمایا: انسانوں کا ایسا ریوڑ جس کا کوئی چرواہا نہ ہو اور اُن کا حال یہ ہو کہ ہر آواز دینے والے کے پیچھے چل پڑیں اور انہوں نے علم کی کوئی روشنی حاصل نہ کی ہو اور نہ ہی کسی رہنما یا پیشوا سے پختگی کے ساتھ وابستہ ہوں، (حلیۃ الاولیاء: 243)''۔ ایسے لوگوں کے لیے ''غوغا'' کا لفظ بھی تجویز کیا گیا ہے، جو فضول گفتگو میں ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کریں اور جب ایک دوسرے سے جدا ہوں تو معلوم نہ ہو کہ کیا حاصل ہوا۔ ''الغوغا'' عربی میں ''غوغاءُ الجَراد'' (یعنی ٹڈیوں کا لشکر) سے ماخوذ ہے، جو بے ہنگم اور بے مقصد ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہیں، جب پلٹتے ہیں تو ماحَصَل کچھ نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال نے ہماری عید کا نقشہ بھی انہی الفاظ میں کھینچا ہے:

عیدِ آزاداں، شکوہِ ملک و دیں　　　عیدِ محکوماں، ہجومِ مؤمنیں

جنابِ عمران خان سے اُن کے جاں نثاروں کا گلہ: جنابِ عمران خان تبدیلی اور احتساب کے نعرے کے ساتھ سرگرمِ عمل ہیں۔ اُن کی خوش قسمتی ہے کہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اُن کے ہمدرد اور جاں نثار کافی تعداد میں موجود ہیں۔ اقتصادی بدحالی اور صنعتی زوال کے اس دور میں قومی معیشت کے جو شعبے غیر معمولی ترقی کی منازل طے کر رہے ہیں، اُن میں آزاد الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا، پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیم کی تجارت و صنعت، صحت کی صنعت، رئیل اسٹیٹ اور آئی ٹی کی صنعت شامل ہیں۔ ان پر بارانِ رحمت کی طرح اس تیزی سے ہُن برس رہا ہے کہ اکیسویں صدی سے پہلے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ بعض خوش نصیب لوگوں کے لیے یہ تبدیلی ناقابلِ یقین حد تک نعمتِ عُظمیٰ بن کر نمودار ہوئی اور دانش فروشوں کا لشکرِ جرار پورے طمطراق کے ساتھ حملہ آور ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہماری صحافت کے ماضی کے ہیرو، مثلاً: مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان اور جنابِ حمید نظامی اگر آج ہوتے تو اِن اہلِ دانش کے سامنے

پانی بھر رہے ہوتے اور روزی روٹی کے لیے کسی اور شعبے میں پائے جاتے ، وہ اپنے آپ کو اِس شعبے میں Unfit یا Misfit سمجھ کر گوشہ نشین ہوجاتے۔

قرونِ اُولیٰ میں جب جنگی سورما تیر وتفنگ اور شمشیر وسناں کے ساتھ آمنے سامنے نبرد آزما ہوتے تو لشکر کے کئی حصے ہوتے تھے: ایک مَیمنہ (Right wing)، دوسرا مَیسَرہ (Left wing)، تیسرا قلب یعنی لشکر کا مرکزیہ یا دل، چوتھا عَقب (Backing Troops) اور سب سے اہم مُقدِّمۃُ الْجَیش (Advance Troops) ہوتا۔ مُقدِّمۃُ الْجَیش لشکر کے آگے جاتا، دشمن کی ریکی کرتا، میدانِ جنگ اور مورچے کے لیے مناسب جگہ کی رہنمائی کرتا، دشمن کی پوزیشن سے آگاہ کرتا اور دشمن کا سامنا ہونے کی صورت میں جنگ کرتا، یہ لشکر کا ایک اہم حصہ ہوتا تھا۔ آج کل جناب عمران خان کے مُقدِّمۃ الجیش ہمارے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے مورچوں میں تشریف فرما ہیں۔ گزشتہ دنوں ایک ماہر تجزیہ کار اینکر پرسن پی ٹی آئی کے ترجمان جنابِ نعیم الحق سے جارحانہ انداز میں سوال کررہے تھے کہ تحریکِ احتساب چل رہی ہے اور خان صاحب حج پر جانے کا پروگرام بنارہے ہیں، گویا: ایں چہ بوالعجبی است۔ الغرض اُن کے نزدیک حج اتنی اہم چیز نہیں ہے، حج تو ہوتا رہتا ہے، خان صاحب پر فرض سہی، لیکن تحریک کی اہمیت حج سے زیادہ ہے۔ حالانکہ خان صاحب ویسے بھی 3 ستمبر کو اپنے دعوے کے مطابق انسانوں کا سونامی یا سمندر موجزن کرنے والے ہیں۔ لیکن شاید ہمارے تجزیہ کار کی خواہش یہ ہو کہ ایک بار طلاطم خیز سمندر موجزن ہوجائے، تو پھر لازم ہے کہ اُس کی لہریں ماند نہ پڑیں، ابھرتی چلی جائیں اور اپنی راہ میں حائل ہر کوہِ گراں کو بہالے جائیں۔ اگر خان صاحب اللہ تعالیٰ کے فریضے کو مُقدّم جان کر حج کے لیے چلے گئے، تو ہمیں اپنے دانش ور دوست سے ہمدردی ہوگی۔ خان صاحب کو ان ماہرینِ فقہِ تحریکات سے وقتاً فوقتاً تازہ ترین فتوے لینے چاہییں تاکہ اُن پر تحریک سے انحراف کا فتویٰ نہ لگے۔

اِسی طرح ایک اور دانشور کا کالم پڑھا: وہ بھی خان صاحب پر برس رہے تھے کہ انہوں نے جناب شیخ رشید احمد کو قومی اسمبلی میں قائدِ حزبِ اختلاف کیوں نہ بنایا تاکہ وہ وزیرِ اعظم نواز شریف کو ناکوں چنے چبوادیتے۔ اُن کے نزدیک قومی اسمبلی میں دوسری بڑی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی اور تیسری بڑی جماعت پاکستان تحریکِ انصاف کو اپنی اپنی برتری کی نفی اور اپنی نااہلی کا اعلان کرکے جنابِ شیخ صاحب کے سامنے سرنگوں ہوجانا چاہیے تھا، لیکن نہ جانے انہوں نے بروقت ان صاحبِ دانش سے مشورہ کیوں نہ کیا، اُن کے خیال میں ایم کیو ایم جنابِ شیخ کے ہاتھ پر غیر مشروط بیعت کرنے کے لیے تیار تھی۔ ہم اہلِ کراچی کی محرومی یہ ہے کہ ایم کیو ایم کو برت ہم رہے ہیں، جنابِ ہارون الرشید کے ممدوحِ محترم پروفیسر رفیق اختر کے الفاظ میں ہم اہلِ کراچی پر بیت رہی ہے، لیکن ایم کیو ایم کے اکثر ماہرین لاہور اور اسلام آباد میں پائے جاتے ہیں، خواہ انہیں جنابِ الطاف حسین کی کیمسٹری کی ہوا تک نہ لگی ہو۔ یہ ایسا ہی ہے کہ جنوری 2013ء میں پروفیسر ڈاکٹر علامہ طاہر القادری اپنی خوش فہمی میں نائن زیرو تشریف لائے، اُن کا شاندار استقبال ہوا اور ایم کیو ایم کی قیادت اور جاں نثاروں کو متأثر کرنے کے لیے انہوں نے ایک انتہائی پرجوش اور ساحرانہ خطاب فرمایا تاکہ یہ سب اُن کے دستِ اقدس پر بیعت کرکے اُن کی تحریک کا حصہ بن جائیں، لیکن حضور والا! جنابِ الطاف حسین: چیزے دیگر است۔

قطرے میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کل　　کھیل لڑکوں کا ہوا ، دیدہ بینا نہ ہوا

میر تقی میر نے کہا ہے:

Part-3 

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے　　　جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے ، باغ تو سارا جانے ہے

ایم کیو ایم کے نظم میں رابطہ کمیٹی، انتظامی کمیٹی، وفاقی وصوبائی وزراء (اگر ہوں)، سینیٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے منتخب اراکین اور کونسلر و یوسی چیرمین سے لے کر میر شہر (Mayor) تک تمام منتخب ذمے داران کی حیثیت اعتباری ہے۔ یہ سب اس مقولے کا مصداق ہوتے ہیں: ''میں اپنے گھر کا مالک و مختار ہوں اور یہ بات میں اپنی بیگم کی اجازت سے کہہ رہا ہوں''۔ طاقت کا اصل مرکز و محور یونٹ اور سیکٹر انچارج ہوتے ہیں اور ان کی وفاداری براہ راست قائد تحریک سے ہوتی ہے۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر وہ قائد تحریک کے حکم پر سب کچھ کر گزرتے ہیں، باقی سب کی ذمے داری ان کو تحفظ دینا ہے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ حق و باطل سے بالاتر ہو کر بندے کا بندے کے ساتھ یہ رشتۂ وفا کیوں؟۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انسانی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے، سامری نے اسی ذی شعور بنی آدم سے بچھڑے کی عبادت کرائی۔ کہا جاتا ہے کہ شداد اور حسن بن صباح نے بھی اپنی اپنی جنت بنائی تھی ، جہاں ان کے حور و غلمان اور عشرت کے سارے سامان تھے، ہٹلر اور مسولینی تو کل کی بات ہے۔ قائدِ تحریک کے نام پر لوگ کیا سے کیا ہو گئے، علامہ شاہ احمد نورانی کہا کرتے تھے:

ایسے ویسے، کیسے کیسے ہو گئے　　　کیسے کیسے، ایسے ویسے ہو گئے

اجمل خٹک کثر کا شکوہ: جناب اجمل خٹک کثر نظریاتی اعتبار سے نیشنلسٹ ہیں، اردو اچھی لکھتے ہیں، اس لیے جب بھی موقع ملتا ہے، اُن کے نظریات سے آگہی کے لیے اُن کا کالم پڑھ لیتا ہوں۔ انہوں نے حال ہی میں کرکٹر یونس خان کے حوالے سے شکوہ کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یونس خان پاکستان کرکٹ کی دنیا میں اپنی کارکردگی کے حوالے سے جس پذیرائی کے مستحق تھے، وہ انہیں نہ مل سکی۔ بادی النظر میں جناب اجمل خٹک کثر کا شکوہ درست ہے، کیونکہ کرکٹ ریکارڈ کے حوالے سے بہر حال اُن کا استحقاق بنتا ہے۔ ٹیسٹ میچوں میں وہ ریکارڈ کے حامل دوسرے کھلاڑیوں کے مقابلے میں نسبتاً کم میچ کھیل کر پاکستان کے سب سے زیادہ رنز اور سنچریاں بنانے والے کھلاڑی ہیں، مگر ان کو استحقاق کے مطابق داد و تحسین نہیں ملی۔ اشتہاری صنعت کے لوگوں نے بھی ان کو کما حقہ پذیرائی نہیں دی۔ پس اجمل خٹک کثر صاحب کو میرا مشورہ ہے کہ جنابِ نصر اللہ خان خٹک مرحوم کے بعد اُن کے قبیلے کے دوسرے فرد جنابِ پرویز خان خٹک آج کل صوبۂ خیبر پختونخوا کے وزیرِ اعلیٰ ہیں اور پاکستانی کرکٹ کے ہیرو جنابِ عمران خان صوبے کی حکمران جماعت پاکستان تحریکِ انصاف کے سربراہ ہیں، ان دونوں کو متوجہ کیجیے کہ یونس خان کو اُن کے استحقاق کے مطابق پذیرائی دیں، انعام و اکرام سے نوازیں، ویسے بھی یونس خان کا تعلق پرویز خٹک صاحب کے پیش رو حیدر خان ہوتی کے ضلع مردان سے ہے اور اُن کی قیادت میں 2009 میں پاکستان نے ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ بھی جیتا ہے۔

پسِ نوشت: عزت مآب چیف جسٹس آف پاکستان جنابِ جسٹس انور ظہیر جمالی نے ایک پٹیشن کی سماعت کے دوران آبزرویشن دی ہے کہ زبانی طلاق معتبر نہیں ہے۔ اُن کے تمام تر احترامات فائقہ کے ساتھ گزارش ہے کہ سَلَف سے خَلَف تک زبانی طلاق معتبر چلی آتی رہی ہے اور جس ملک نے آپ کو عدالت کے اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز کیا ہے، اُس میں موجود مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک مُسلّم ہے، بلکہ اصل انشاءِ طلاق زبانی ہی ہوتی ہے، تحریر ضرورتاً معتبر مانی گئی ہے۔

(روزنامہ دنیا، 03 ستمبر 2016ء)